ASHFAQ HUSSAIN
THE SECOND OF FAIZ AHMED FAIZ

دوسری بار گرفتاری:

فیض صاحب اُن دنوں سویت یونین ہی میں تھے جب پاکستان میں اُس وقت کے کمانڈر ان چیف جنرل محمد ایوب خان نے پور ے ملک میں ما رشل لا کے نفاذ کا اعلان کردیا - ان کے دوستوں اور ساتھیوں نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ ایسی صورت میں پاکستان نہ جائیں بلکہ کچھ دنوں کے لیے لندن ہی میں قیام کرلیں اور جب بعد میں حالات سازگار ہوجائیں تو واپس چلے جائیں لیکن انہوں نے اپنے وطن واپسی کا پکا ارادہ کر لیا تھا اور وہ اس پر پوری طرح قائم رہے۔

البتہ فیض صاحب نے ماسکو سے سیدھا پاکستان جانے کے بجائے لندن میں کچھ دن قیام کیا- لندن میں قیام کی ایک وجہ یہ تھی کہ انہی دنونو ہاں ان کی فلم جاگو ہوا سویرا کی تدوین ہو رہی تھی جس کے لیے اختر کاردار نے انہیں پاکستان جانے سے پہلے لندن میں کچھ دن قیام کرنے کو کہا تاکہ اس سے متعلقہ امور پر ان سے مشورے لے لیے جائیں - چنانچہ حفیظ جالندھری جو ٬ ان کے ساتھ کانفرنس میں آئے تھے ٬ وہ تو سیدھے ماسکو سے پاکستان روانہ ہوگئے جب کہ فیض صاحب نے لندن کی راہ لی- وہاں تقریباً دو ہفتے قیام کے بعد وہ دسمبر 1958ئ میں پاکستان واپس آگئے- کراچی میں ان کی ملاقات ایوب خان کی کابینہ کے ایک مرکزی وزیر اور ان کے قریبی دوست منظور قادر سے ہوئی - اس ملاقات سے فیض صاحب کو یہ تاثر ملا گویا ان کے لیے خطرے کی کوئی بات نہیں ہے- مگر سرکار دربار کے مفادات کی دنیا بالکل الگ ہوتی ہے - ضروری نہیں کہ یہاں جو کچھ نظر آرہا ہے وہی اصل بھی ہو -

فیض صاحب کراچی سے لاہور پہنچے جہاں چھیمی کی سال گرہ بڑی دھوم دھام سے منائی گئی - سب لوگ بہت خوش تھے مگر خوشی کے یہ لمحے زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوسکے- سالگرہ کے دوسرے ہی دن ان کے گھر ایک بار پھر پولیس والے آن دھمکے اور انہیں ان کی گرفتاری کا پروانہ دکھایا- فیض صاحب نے اس بار گرفتار کیے جانے کے بارے میں کہا:

’’ہماری گرفتاری کی کہانی بھی دلچسپ ہے- پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ جب ملک میں کوئی ہنگامہ ہوتا یا کوئی حکومت تبدیل ہوتی تو اپنے مخالفین کو احتیاطاً نظر بند یا قید کردیتے تھے یا کوئی سزا دے دیتے تھے مگر ایوب خان صاحب نے مارشل لا نافذ کرتے ہی یہ کمال کیا کہ ۱۹۲۱ئ کے زمانے سے لے کر مارشل لا کے نفاذتک ٬ سی آئی ڈی کی فائلوں میں جن جن لوگوں کے نام موجود تھے انہیں بلا لحاظ اس بات کے پکڑ لیا کہ ان لوگوں نے کچھ کیا بھی تھا یا نہیں - پولیس کی نظر میں اور خفیہ پولیس کی فائل میں انگریز کے زمانے سے جو لوگ مشتبہ قرار دیے گئے تھے ان سب کو نظر بند کردیا- خان صاحب نے حکم دیا کہ ایسے سارے لوگوں کو گرفتار کرلو ٬ اچھی طرح تفتیش کرو کہ

آج کل ان کی سیاسی سرگرمیاں کیا ہیں اور یہ کس حد تک ہمارے مخالف ہیں یا کس حد تک آئندہ خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں- جن لوگوں کے خلاف کوئی چیز نہ ہو ان کو چھوڑ دو- جب ہم گرفتار ہوئے تو ہم نے پوچھا کہ بھئی ہمیں کس شوق میں گرفتار کیا گیا ہے؟ ہم نے تو کچھ نہیں کیا اور ہم یہاں تھے بھی نہیں - ہمیں تو حکومت کی طرف سے ماسکو بھیجا گیا تھا- اس پر جواب ملا ہاں آپ نے کچھ کیا نہیں ہے اور ہم نے بھی آپ پر کوئی الزام نہیں لگایا ہے- آپ کو تو محض احتیاطاً قید میں رکھا ہے- جب ہم یہ سمجھیں گے کہ حکومت کو آپ سے کوئی خطرہ درپیش نہیں ہے تو آپ کو چھوڑ دیں گے- یا پھر ایک صورت یہ ہے کہ آپ لکھ کر دے دیں کہ آپ حکومت کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کریں گے- ہم نے کہا اس میں لکھ کر دینے کی کوئی بات نہیں کیونکہ ہم ایک زمانے سے سیاست میں کوئی حصہ نہیں لے رہے ہیں - اس پر انہوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ لکھ کر دیں کہ آپ حکومت کاساتھ دیں گے- ہم نے جواب دیا ہم آپ کو کوئی تحریر نہیں دیں گے- ہر دسویں پندرھویں دن پولیس کے کوئی بڑے افسر صاحب تشریف لاتے اور کہتے آپ لکھ کر دے دیں اور ہم انکار کردیتے تھے- چار مہینے کے بعد ہم سے کہا گیا کہ اب آپ گھر جائیے"(۱۲۱)

جیل خانہ جو ' اب بظاہر ان کا دوسرا گھر بنتا جارہا تھا وہاں ان سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کو جو ' جوابات وغیرہ دینے تھے وہ تو اپنی جگہ دیے ہی ہوں گے لیکن اس کا تخلیقی اظہار انہوں نے کچھ اس طرح کیا تھا -

ہم خستہ تنوں سے محتسبو کیا مال منال کا پوچھتے ہو

جو عمر سے ہم نے بھر پایا وہ سامنے لائے دیتے ہیں

دامن میں ہے مشتِ خاکِ جگر ساغر میں ہے خونِ حسرتِ مے

لو ہم نے دامن جھاڑ دیا لو جام الٹائے دیتے ہیں

اس بار پہلے تو انہیں لاہورجیل میں رکھا گیا مگر بعد میں انہیں شاہی قلعے میں پہنچا دیا گیا جہاں اور دوسرے سیاسی قیدیوں کے ساتھ وہ بھی قید میں رہے - یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ اسی قلعے میں ان کے والد سلطان محمد خاں بھی کسی زمانے میں قید رہے تھے- ایک دفعہ ڈاکٹر ایوب مرزا نے ان سے مذاق میں کہا کہ اب تو شاہی قلعہ کو بھی قومی ورثہ قرار دے دینا چاہیے تو فیض صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''بھئی یہ بھی ہمارا تاریخی اثاثہ ہے اسے جیل خانہ واقعی نہیں بنانا چاہیے- جیلوں کی ملک میں کیا کمی ہے - قلعہ تو ہمارا ورثہ ہے " (۱۲۲)

جن دنوں فیض صاحب لاہور میں قید تھے تو ان سے ملاقات کے لیے ایلس نے درخواست دی مگر بقول ایلس:

’’سی آئی ڈی کے ذمہ داروں نے دانستہ جھوٹ سے کام لیا- انہوں نے اس بات سے لاعلمی کا اظہار کیا کہ فیض لاہور جیل سے قلعہ میں منتقل کردیے گئے ہیں- چنانچہ اس دانستہ جھوٹ کی وجہ سے میں لاہور جیل گئی- وہاں پتہ چلا کہ فیض تو وہاں سے جاچکے ہیں اور جب میں نے ملاقات کے لیے دوبارہ درخواست دی تو میں غصہ کے مارے سچ مچ ابل پڑی تھی- آخر کار میں اپنی بوڑھی ساس کے ساتھ قلعہٗ لاہور پہنچی فیض کو ان کی کوٹھری سے بلایا گیا- انہیں دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہوا کہ یا تو انہیں شیو کرنے کی اجازت نہیں دی گئی یا انہوں نے خود ہی داڑھی بنانے کی زحمت گوارا نہیں کی- ان کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ ان کے پچھلے چوبیس گھنٹے خوش گوار ہر گز نہ تھے -

میں نے پوچھا ” تم نے ناشتہ کیا ہے؟

فیض نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ” ہاں‘‘

کیا ؟ یہ تھا میرا دوسرا سوال

’’ایک بن اور ایک پیالی چائے `` فیض نے جواب دیا-

بن کا لفظ سنتے ہی میں جیسے بارود بن گئی- جیسے کسی نے بندوق کی لبلبی پر ہاتھ رکھ دیا ہو- میرے مزاج کی یہ کیفیت کیوں کر ہوئی اس کا جواب خود مجھے بھی کبھی نہ مل سکا- لیکن شاید اس وقت ’ بن ‘ ایک علامت بن گیا تھا- ایک اشارہ ’ ان تمام ناانصافیوں ’ دکھ درد، ذلت ’ فریب اور دروغ گوئی کا جن کا میں گزشتہ کئی ماہ سے شکار تھی"(۱۲۳)

انہی دنوں جیل میں فیض صاحب کے دانتوں کی تکلیف بڑھ گئی - پولیس کی حراست میں انہیں ڈاکٹر کے پاس لے جایا جا رہا تھا کہ راستے میں پولیس کی گاڑی خراب ہوگئی - فیض صاحب کا اصرار کہ ڈاکٹر صاحب کے پاس جانا ضروری ہے - چنانچہ تانگے میں بیٹھ کر لاہور کی سڑکوں سے ان کا گزر ہوا - تانگے پر بیچ میں فیض صاحب بیٹھے ہوئے ہیں اور دونوں جانب مسلح پولیس والے - جب تانگہ لاہور کے گنجان بازار سے گزر رہا تھا تو کچھ لوگوں نے انہیں پہچان لیا اور و ہ ٹانگے کے پیچھے پیچھے ایک جلوس کی شکل میں چلنے لگے - ایک عجیب منظر رہا ہوگا - اسی پس منظر میں فیض صاحب نے اپنی یہ یادگار نظم لکھی -

آج بازار میں پا بجولاں چلو

چشمِ نم جانِ شوریدہ کافی نہیں

تہمتِ عشقِ پوشیدہ کافی نہیں

آج بازار میں پا بجولاں چلو

دست افشاں چلو مست و رقصاں چلو

خاک بر سر چلو خوں بداماں چلو

راہ تکتا ہے سب شہر جاناں چلو

حاکمِ شہر بھی مجمعِ عام بھی

حاکمِ شہر بھی مجمعِ عام بھی

تیر الزام بھی سنگِ دشنام بھی

ان کا دمساز اپنے سوا کون ہے

شہر جاناں میں اب باصفا کون ہے

دستِ قاتل کے شایاں رہا کون ہے

رختِ دل باندھ لو دل فگارو چلو

پھر ہمیں قتل ہو آئیں یار و چلو

خود انہوں نے ایک جگہ اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے:

''آج بازار میں پا بجولاں چلوکا واقعہ یوں ہے کہ ہم منٹگمری (ساہیوال) جیل سے دانتوں کے علاج کے لیے کچھ دن کے لیے لاہور جیل لائے گئے - یہاں سے ہر صبح دانتوں کے ہسپتال جو شہر کے دوسرے کنارے پر ہے پولیس کی گاڑی میں جانا ہوتا تھا - ایک دن موٹر نہ مل سکی تو ہمیں تانگے میں مسلح گارد کے ساتھ ہسپتال جانا پڑا - لارنس روڈ ' مال روڈ ' کچہری روڈ ' بیرونِ بھاٹی دروازہ اور راوی روڈ سے گزرے تو بہت سے لوگوں نے پہچان لیا ' کئی جگہ مجمع جمع ہوگیا اور نعرے وغیرہ بھی لگے - یہ نظم اسی واقعے سے متعلق ہے "(۱۲۴)

مگر اس واقعے کا ایک دلچسپ پہلو اور ہے جسے ان کی بیٹی سلیمہ نے ٹورنٹو کے فیض سیمینار میں اپنا مضمون پڑھتے ہوئے بیان کیا ہے وہ کہتی ہیں :

''گرفتاری کے چند روز بعد لارنس روڈ پر چلتے ہوئے مجھے ایک دم ابا نظر آئے- چار پولیس والوں کے ساتھ تانگے میں گزر رہے تھے - حسب معمول اطمینان

سے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے اور سامنے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے - انہیں سڑک کے کنارے کھڑی اپنی ہی بیٹی نظر نہ آئی - بیٹی بھی حیرت اور بے چارگی میں یوں گُم سُم کھڑی رہی کہ حلق سے آواز ہی نہ نکلی اور تانگہ گزر گیا - اور میں سارا راستہ آنسو پیتی رہی "(۱۲۵)